کربلا کا آفاقی پیغام

قائد ملت مولانا سید کلب جواد نقوی، جنرل سکریٹری مجلس علماء ہند

(۱)

کچھ انسانی اقدار ایسی ہیں جو آفاقی، جاوداں، نا قابل تغیر وتبدل و بالفاظ دیگر زمان و مکان سے فروتر ہوتی ہیں۔ انہی میں سے ایک آزادی کی تمنا اور غلامی سے نفرت ہے، مگر کبھی کبھی انسان کو مجبوراً غلامی اختیار کرنا پڑ جاتی ہے اور اس کا سبب کبھی تو موت کا خوف ہوتا ہے اور کبھی دنیا کی طمع اور لالچ۔ زندگی سے محبت، موت کا خوف اسے ذلت وخواری کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ زندہ رہے چاہے ذلیل ہو کر چاہے غلام بن کر، لیکن امام حسینؑ نے مدینہ سے لے کر کربلا تک قدم قدم پر یہی درس دیا کہ زندگی اس وقت تک جینے کے لائق ہے، جب تک وہ عزت کے ساتھ ہو وگرنہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔ جیو، تو آزاد رہ کر جیو ورنہ موت کو خوشی خوشی گلے لگالو۔

جب امام حسینؑ مدینۂ منورہ سے مکہ معظّمہ کی طرف ہجرت فرما رہے تھے تو کئی لوگوں نے مشورہ دیا کہ یزید کی بیعت کر کے اپنی جان بچا لیجئے، مگر مولیٰ نے سختی سے جواب دیا: ''هیهات منّا الذلة'' (مجھے ذلت کی زندگی منظور نہیں) جب مدینہ منورہ کے گورنر ولید نے امام علیہ السلام کو اپنے قصر میں بلایا اور یزید کے لئے بیعت طلب کی تو آپ نے یزید میں پائی جانے والی خرابیاں بیان فرمائیں اور نمائندہ الٰہی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اور آخر میں ایک تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: مثلی لا یبایع مثله'' مجھ جیسی کوئی بھی شخصیت (موت کے خوف یا دنیا کی طمع میں آکر) یزید جیسوں کی بیعت نہیں کر سکتی۔ مروان نے بھی امامؑ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ مروان کی باتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ کیوں دردسری مول لے رہے ہیں۔ کافی بڑا وظیفہ ملے گا، ہوسکتا ہے کوئی بڑا عہدہ بھی مل جائے۔ آپ کو نمازیں پڑھنے سے، روزے رکھنے سے، حج پر جانے سے کون روک رہا ہے۔ خوب کار خیر کیجئے۔ جتنا دل چاہے ثواب کمائیے۔ دین بھی آپ کا ہوگا، دنیا بھی آپ کی ہوگی۔ دنیا میں کسی بھی مسلک یا مذہب سے تعلق رکھنے والی اکثریت کا طرز فکر اور طریقہ عمل یہی ہے کہ جس کی نمائندگی مروان کر رہا تھا اور یزید کے زمانہ میں ملت اسلامیہ کی اکثریت نے یہی طرز عمل اختیار کر لیا تھا، لیکن امام حسینؑ نے جواب میں وہ آیت تلاوت فرمائی جو عموماً کسی کی موت پر پڑھی جاتی ہے۔ مفہوم: ''ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی بارگاہ میں واپس جانے والے ہیں۔'' (سورہ بقرہ، آیت ۱۵۶) اعلیٰ الاسلام اگر امامت کا رہبر یزید جیسا ہو تو اسلام کا خاتمہ پڑھ لینا چاہئے، یعنی اسلام کے باقی رہنے کی کوئی امید نہیں رہ جائے گی۔

آج بھی اکثر مسلمان ملکوں کی ذلت اور خواری کا بنیادی سبب یہی موت کا خوف اور دنیا کی طمع ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کی حلیف طاقتیں تقریباً پورے عالم اسلام پر قابض ہو چکے ہیں۔ جب مفاد پرست مسلمان رہنماؤں اور مولویوں کے سامنے یہ زمینی حقیقت پیش ہوتی ہے تو (بہت معذرت کے ساتھ یہ جملہ لکھا جا رہا ہے) وہ شتر مرغ کی طرح اپنے سر ریت میں دبا کر اس تلخ ترین واقعیت سے انکار کر دیتے ہیں، لیکن الحمد للہ مسلمان عوام میں یہی آزادی کی فطری تمنا اور غلامی سے نفرت آہستہ آہستہ سر ابھار رہی ہے، جس کی بہترین مثال مصر ہے، مگر

اسی کے ساتھ ساتھ خطرناک پہلو یہ ہے کہ امریکہ انتہائی چالاکی اور مکاری سے اس عوامی بیداری کو جھوٹی ہمدردی اور مدد کرنے کے بہانے ہائی جیک کرنے کی کوشش میں ہے اور دوبارہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کی مثالیں لیبیا اور یمن ہیں۔

کربلا کا آفاقی اور بنیادی پیغام عزت کی زندگی گزارنا اور غلامی سے نفرت کرنا ہے اور یہ پیغام مولیٰ نے آخری سانسوں تک دیا ہے۔ جب امام علیہ السلام ۷۱ لاشے اٹھا چکے ہیں جن میں اٹھارہ برس کے شبیہ رسول اللہ علی اکبرؑ کی میت بھی ہے ہاتھوں پر چھ مہینے کا بچہ تیر حرملہ کا نشانہ بن چکا ہے۔ زخموں کی وجہ سے امامؑ زمین پر دراز ہیں۔ اٹھنے کی طاقت نہیں۔ اسی عالم میں شمر ذی الجوشن نے خیموں پر حملہ کر دیا، جہاں عورتیں اور بچے ہی باقی بچے تھے۔ جب امامؑ نے یہ منظر دیکھا تو بچے ہوئے خون کے قطروں کی پوری طاقت جمع کر کے آواز دی "اے شیعیان آل ابوسفیان اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور آخرت سے بے خوف ہو **"فکونوا احراراً فی دنیاکم"** تو کم از کم اپنی دنیا ہی میں آزاد بن جاؤ"۔ کربلا کے سارے پیغامات کسی ایک نسل یا کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں ہیں، بلکہ ۶۱ ھ سے لے کر تا قیام قیامت آنے والے تمام زمانوں اور انسانوں کے لئے ہیں۔ آج بھی تاریخ کے افق پر آپ کا قول جگمگا رہا ہے اور ہر غیرت دار انسان کو دعوت فکر دے رہا ہے **"موت فی عزت خیر من حیاۃ فی الذل"** (ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے)

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۲ دسمبر ۲۰۱۱ء)

(۲)

پچھلے مضمون میں عرض کیا گیا کہ کربلا زمانہ کی حدبندیوں میں محدود نہیں ہے اور نہ کسی خاص فرقے سے مخصوص ہے، کسی بھی مذہب، خطہ زمین یا کسی بھی زمانہ کا انسان ہو، اسے اپنے ضمیر کی پکار کا جواب کربلا میں مل جائے گا۔ کسی شاعر نے بہت اچھا شعر کہا ہے:-

یہ ہم نے کب کہا کہ ہماری ہے کربلا
حق بات تم کہو تو تمہاری ہے کربلا

اور بہت اچھی بات کہی گئی ہے کہ اگرچہ امام حسینؑ عرب کی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے؛ خاندان بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے، خانوادہ رسالت کے ایک فرد تھے اور دین اسلام کے نمائندے تھے، مگر جس طرح سورج نکلتا مشرق سے ہے، مگر ساری دنیا کو روشنی دیتا ہے، بادل ابھرتے سمندر سے ہیں، مگر ہر کھیت پر برستے ہیں۔ پھول کی خوشبو کسی مذہب یا فرقہ کی تفریق نہیں کرتی، گلاب کا پھول کھلتا ہے، کسی ایک گھر میں، مگر سارے علاقے کو معطر کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے کربلا میں امام حسینؑ کا پیغام بھی آفاقی ہے اور ہر انسان اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔

انسان فطرتاً امن پسند ہے، لڑائی، جھگڑا، فتنہ، فساد، ظلم و ستم اس کی طبیعت پر بار ہوتا ہے، اسی کے لئے قانون بنائے جاتے ہیں اور علماء علم اخلاق، انسانی اخلاق کے ضابطے معین کرتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ و فساد مٹے اور امن و امان قائم ہو۔ کربلا کا بھی یہی پیغام ہے کہ امن و امان قائم ہو اور دنیا سے فساد ختم ہو۔ اگر امام حسینؑ کے بتائے ہوئے اصولوں اور تعلیمات پر سختی سے عمل ہو تو دنیا سے جنگ و جدال کا خاتمہ ناممکن نہیں ہے، جس وقت مدینہ کے گورنر ولید ابن عتبہ نے امام حسینؑ کو اپنے دارالامارہ میں بلایا اور یزید کی تخت نشینی کی خبر دی، ساتھ ہی ساتھ بیعت کا مطالبہ بھی کیا۔ امام حسینؑ نے انکار کیا اور اٹھ کر جانے لگے۔ اس وقت وہاں مروان بن الحکم موجود تھا، اس نے فوراً کہا: اے ولید اگر تم نے اس وقت حسینؑ کو جانے دیا تو یہ پھر ہاتھ نہ آئیں گے، لہٰذا یا تو ان سے اسی وقت بیعت لے لے یا ان کا سر کاٹ دے۔ اس وقت امام حسینؑ کی آواز بلند ہوئی اور آپ نے سخت لہجے میں فرمایا، یا ابن الزرقاء (اے نیلی آنکھوں والی عورت کے بیٹے) تیری یا ولید کی اتنی جرأت نہیں کہ نواسہ رسولؐ اللہ کا سر کاٹ سکے۔ تاریخ میں درج ہے کہ اس وقت امام حسینؑ کے ساتھ بنی ہاشم کے کئی جوان آئے تھے، مگر وہ دروازہ

پر رک گئے تھے اور فقط امامؑ اندر گئے تھے۔ جب امامؑ کی آواز بلند ہوئی اور باہر پہنچی تو امام حسینؑ کی جان کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے وہ سب ولید کے گھر میں داخل ہو گئے اور امام حسینؑ کے بھائی حضرت عباسؑ نے تلوار نکال کر چاہا کہ ولید پر حملہ کریں۔ اس وقت امام حسینؑ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا: اے عباس رک جاؤ! ہم جنگ میں پہل نہیں کرتے اور جناب عباسؑ کو حملہ کرنے سے روک دیا۔ اس طرح کربلا سے کچھ پہلے جب حر کے ایک ہزار لشکر نے امام حسینؑ کا راستہ روکا اور کہا کہ ابن زیاد کا حکم ہے کہ گرفتار کر کے کوفہ لے آؤ، لیکن امامؑ نے اس وقت بھی جنگ سے پرہیز کیا۔ حالانکہ امامؑ کے کچھ ساتھیوں نے مشورہ بھی دیا کہ اس وقت دشمن کی تعداد کم ہے، ان سے جنگ کرنا آسان ہے، بعد میں تعداد بڑھ سکتی ہے، لیکن مولیٰ نے وہی جملہ دوہرایا کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کرتے اور یہیں پر امام حسینؑ نے انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہوئے دشمن کے لشکر کو اپنا سارا پانی پلا دیا۔ کربلا کے میدان میں جب ابن زیاد کے سپہ سالار عمر ابن سعد کے لشکر نے آکر امامؑ کے قافلہ کو گھیر لیا تو اس وقت امامؑ کے خیمے نہر علقمہ کے کنارے لگے ہوئے تھے، تاکہ بچوں کے لئے پانی کے حصول میں آسانی رہے، کیونکہ حسینؑ کے ساتھ بہت چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، جن میں ایک چھ مہینے کا علی اصغرؑ بھی تھا۔ عمر بن سعد نے آکر ابن زیاد کا حکم سنایا کہ حسینؑ کے خیمے دریا کے کنارے سے ہٹا کر بے آب و گیاہ میدان میں لگوائے جائیں۔ یہ سنتے ہی امام حسینؑ کے پورے قافلے میں کہرام مچ گیا۔ بڑی سخت منزل تھی، امام حسینؑ کے لئے تپتا ہوا صحرا، چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ اور ابن زیاد کا غیر انسانی حکم۔ امامؑ کے ساتھ آئے ہوئے جوان بپھر گئے۔ اعلان کیا کہ کوئی ہمارے خیموں کو ہاتھ لگا کر تو دیکھے۔ ان بگڑے ہوئے شیروں کو سمجھانا تھا، جن کا غصہ حق بجانب تھا۔ امام حسینؑ آہستہ آہستہ ان جوانوں کے سامنے آئے اور آتے ہی ایسا جملہ کہا کہ سارے جوانوں کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ فرمایا: اے میرے شیرو! میری جان تم پر فدا ہو جائے۔ صبر کرو خیمے دریا سے ہٹا لو، کیونکہ ہمیں جنگ میں ابتدا نہیں کرنا ہے۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ اگر امام حسینؑ کے مندرجہ بالا اسی ایک جملہ کو تمام سربراہان ممالک تحریر کر کے اپنے سامنے رکھ لیں اور عہد کر لیں کہ اسی اصول کے پابند رہیں گے کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کرتے تو جب کسی کی طرف سے جنگ میں ابتدا نہیں ہوگی تو دنیا میں کبھی جنگ بھی نہیں ہوگی۔ کربلا کا یہ ایک ایسا پیغام ہے، جو ہر زمانہ میں پوری انسانیت کے لئے امن کا ضامن ہے اور یہیں سے بعض مورخین اور سیرت نگاروں کی جانب سے جو ایک غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ رسول اسلامؐ کے بڑے نواسے امام حسنؑ صلح پسند تھے۔ ان کی طبیعت اور مزاج میں صلح پسندی تھی، لہٰذا انہوں نے صلح فرمائی اور کیونکہ چھوٹے نواسے امام حسینؑ کی طبیعت امن مخالف اور مزاج جنگ پسند تھا، اسی لئے آپ نے یزید سے صلح کرنا قبول نہیں فرمایا اور میدان کربلا میں جنگ کر کے اپنے اور اپنے پورے خانوادہ کو قربان کر دیا۔ ہر صاحب فہم اس حقیقت سے واقف ہے کہ اگر کسی کا مزاج جنگ پسند ہو اور امن وامان اس کی طبیعت سے میل نہ کھاتا ہو تو وہ لڑنے میں پہل کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈھتا ہے۔ اوپر کتنے مواقع بیان کئے گئے، جب سخت مزاج انسان کے لئے جنگ حتمی تھی، مگر امامؑ نے زبردست قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کو ٹال دیا۔ یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نمائندہ اپنے عمل میں مزاج کا پابند نہیں ہوتا، بلکہ مشیت اور دین کے اصولوں کا پابند ہوتا ہے۔

(جاری)

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۱۶؍دسمبر ۲۰۱۱ء)